مولانا غلام محمد بی۔ اے۔ کراچی
(مؤلف سند کرۂ سلیمان)

حضرت مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ حیدرآبادی قدس سرہٗ

شیخ کبیر و محدث جلیل

سادات کے ایک معزز متقی گھرانے میں جمعہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو طلوع صبح کے وقت شہر حیدرآباد (دکن) میں ایک بچہ پیدا ہوا، عارف باللہ باپ نے اس نومولود کا نام عبداللہ رکھا۔ صوفیائے کرام کا کہنا ہے کہ قطب ارشاد کا نام دنیا والے خواہ کچھ ہی رکھیں، ملاء اعلیٰ میں "عبداللہ" ہی ہوتا ہے، باپ کی فراست نے کیا عجب کہ اپنے نونہال کے آئندہ رتبہ کو اسی وقت دیکھ لیا ہو کیونکہ

؎ قلوب العارفین لھا عیون ترٰی مالا یراہ الناظرون[1]

چنانچہ یہی صاحبزادہ عبداللہ میاں بڑے ہو کر عالم و معلم بنے، سالک عارف اور شیخ طریقت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں جہتوں سے اتنا بلند و بالا کر دیا کہ محدث جلیل اور قطب ارشاد مانے گئے۔

خاندان | مولانا ابوالحسنات سید عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد عادل شاہی دور حکومت میں دکن آکر شہر نلدرگ میں جو اس وقت علماء و صلحاء کا مرکز تھا، بس گئے تھے۔ اس وقت کا یہ عظیم شہر آصف جاہی مملکت کا ایک معمولی تعلقہ بن کر رہ گیا تھا، اور اب اس قابل بھی نہ تھا کہ کسی تشنۂ علم علم کی سیرابی یہاں ہو سکتی، لاچار مولانا کے والد ماجد مولانا سید مظفر حسین رحمۃ اللہ علیہ بلدۂ حیدرآباد چلے

---

[1] (ترجمہ) عارفین اپنی قلبی آنکھ سے وہ کچھ دیکھ جاتے ہیں جو عام انسانی نگاہ دیکھ نہیں سکتی۔

آئے، علم دین کی تحصیل کی اور پھر اپنے وقت کے سب سے کثیر الفیض نقشبندی بزرگ حضرت مسکین شاہ[۱] قدس سرہٗ سے بیعت کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا اور محلہ حسینی علم میں مستقل سکونت اختیار فرمائی، امراء و اعیانِ حکومت ان کی توقیر کرتے تھے، اور عوام کو ان سے عقیدت تھی، وہ بڑے بے لاگ، جلالی شان کے صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے، ان کا وصال سو برس سے زائد کی عمر میں اس وقت ہوا جبکہ ان کے نورِ نظر درس و مشیخت کی یکجائی مسند پر جلوہ فرما ہو چکے تھے۔ باپ کے دل میں اپنے فرزند کی وہ عظمت تھی کہ اہل تخصیص سے فرمایا کرتے:

"عبداللہ میاں کے سامنے میری کوئی حیثیت نہیں۔"

تعلیم | مولانا سید مظفر حسین[۲] دار العلوم دیوبند کی علمی عظمت کے معترف تھے، اس لئے حضرت مولانا سید عبداللہ کے ابتدائی معلم ایک فاضل دیوبند ہی مقرر ہوئے۔ پھر معقولات کی اعلیٰ کتابوں کی تکمیل مولانا منصور علی خاں رحمۃ اللہ علیہ[۳] سے ہوئی، تفسیر اور ہیئت وغیرہ مولانا انوار اللہ خاں (نواب فضیلت جنگ)[۴] سے کی، فقہ مولانا حبیب الرحمٰن سہارنپوری سے پڑھی اور سند حدیث مولانا حکیم عبد الرحمٰن سہارنپوری (فرزند استاذ المحدثین مولانا احمد علی سہارنپوری) سے حاصل کی اور حدیث شریف میں ان کے خاص اور امتیازی شاگرد مانے گئے،

تکمیل سلوک | اپنے والد ماجد کے تعلق سے مولانا بچپن ہی میں حضرت مسکین شاہ صاحب سے بیعت ہو چکے تھے۔ مگر تحصیل علم کی مدت میں بلکہ عالم ہو کر بھی تکمیل سلوک کی طرف کوئی توجہ نہ تھی

۱؎ آپ شاہ سعد اللہ نقشبندی (قدس سرہٗ) نزیل حیدر آباد دکن کے خلیفہ تھے جن کو قطب ارشاد شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ سے خلافت حاصل تھی۔ حضرت مسکین شاہؒ کا دامنِ فیض بہت وسیع تھا، شاہ و گدا سب ان سے فیضیاب تھے، ہزاروں ہزار عوام اور سینکڑوں خواص کے علاوہ تو آصف سادس نواب میر محبوب علی خان بھی آپ ہی کے مرید تھے۔ ۲؎ بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے شاگرد خاص و عاشق زار اور ان کے پہلے سوانح نگار تھے، بڑے طبیب، پایہ کے محدث اور ماہر معقولات تھے۔ بیعت کا تعلق قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ سے تھا، آخر شیخ عالی مقام کی کشش نے مکہ مکرمہ کا جذب عطا کیا اور جنت المعلیٰ ان کی ابدی راحت گاہ بنی رحمۃ اللہ علیہ۔ ۳؎ حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ کے خاص شاگرد اور شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کے ارشد خلفاء میں سے تھے۔ حیدر آباد میں مدرسہ نظامیہ کی دینی درسگاہ قائم کی اور حیدر آباد کے آخری تاجدار نواب میر عثمان علی خان کے اتالیق بھی رہے، معرکہ کی تصانیف چھوڑی ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

خیال یہی تھا کہ عالمانہ شان سے زندگی گزار دیں گے، مگر علیں اس دورِ شباب میں ایک اتفاقی حاضری حضرت سید محمد پادشاہ بخاریؒ کی خدمت میں ہو گئی جو حضرت شاہ سعد اللہ صاحب مجددیؒ ہی کے دوسرے خلیفہ تھے۔ اور سلسلہ قادریہ میں بھی حضرت سید خواجہ احمد بخاریؒ سے اجازت و خلافت رکھتے تھے۔ بس اس ایک ملاقات میں علم کا دلدادہ معرفت کا جویاں بن گیا، شاہ بخاری نقشبندی و قادریؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، پورے اتباع و انقیاد سے تکمیلِ سلوک میں لگ گئے اور کمال کو پہنچ کر اپنے شیخ کامل و مکمل کے تنہا خلیفہ بنے۔

درس و ارشاد مولانا ان ظاہری و باطنی کمالات کو لئے ہوئے اپنی پنجوقتہ نماز کی مسجد مسجد علی آقا (جو قطب شاہی دور کی یادگار ہے) کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر درسِ حدیث و تفسیر بھی دینے لگے، اور کوئی طالبِ مولیٰ آگیا تو اسکی رہبری کو بھی قبول فرماتے گئے، ابتداءً علم کے طلبگار زیادہ آتے رہے اور جویانِ معرفت خال خال کچھ ہی عرصہ میں مولانا کے درس کا چرچا ہو گیا۔ مدرسہ نظامیہ کیطرف سے مدرسی کی پیشکش ہوئی، مگر مولانا نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ علم دین کو ذریعہ معاش بنانا منظور نہیں۔

مولانا ویسے تو سکوت مجسم تھے مگر ان کا درس تفہیم، تحقیق اور تاثیر ہر اعتبار سے بہترین ہوتا تھا، راقم الحروف کو قرآن و حدیث میں تو نہیں البتہ گلستان (سعدیؒ) میں حضرت کی شاگردی کا شرف حاصل ہے اور ذاتی تجربہ کی بناء پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اُن اساتذہ میں سے تھے جو استاذ گر ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک بات پیش کروں، لڑکپن میں درسِ گلستاں میں محاورہ آیا "در افواہِ عالم افتاد" میں نے اس کا ترجمہ کیا بات مشہور ہو گئی، حضرت نے فرمایا یوں نہیں، اس کا لغوی ترجمہ کیجئے میں نے اور الفاظ کا ترجمہ کر دیا مگر "افواہ" کا ترجمہ نہ کر سکا تو فرمایا: افواہ جمع ہے "فوہ" کی اور "فوہ" اصل میں ہے "فم" اور "فم" عربی میں کہتے ہیں "منہ" کو، پس "در افواہِ عالم افتاد" کا ترجمہ ہوا "دنیا کے مونہوں میں پڑ گئی" یعنی بات مشہور ہو گئی۔ اس ادنیٰ مثال سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ حدیث و قرآن کے درس میں تحقیق اور تفہیم کے جوہر کیسے کھلتے ہوں گے۔

مولانا کے درس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ گو وہ مجلس درس کو محفلِ پند و وعظ قطعاً نہیں بناتے تھے، مگر ہر شاگرد ان کی صحبت میں بیٹھ کر دین کے عملی ذوق و شوق کو لئے ہوئے اٹھتا تھا، یہ ان کی باطنی نسبت عالی کا اثر تھا،

مولانا کے درسِ حدیث شریف میں ایک جن کی شرکت تو وثوق سے معلوم ہے، زاہد کا

اس ناچیز کو علم نہیں، شروع کا حال تو معلوم نہیں مگر اپنے آغاز شعور میں درس حدیث کا وقت مولانا کے ہاں بعد نماز عشاء ہی کا پایا اور شرکاء درس میں جوان عمر اور ادھیڑ عمر طالبان علم نظر آئے۔

ریاضت و مجاہدہ اور عزیمت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے جو ارشاد فرمایا ہے ۔

انبیاء را کار عقبیٰ اختیار کافراں را کار دنیا اختیار

انبیاء چوں جنس علیین بدند سوئے علیین بجان و دل شدند

حضرت مولانا سید عبداللہ نور اللہ مرقدہٗ کی ساری زندگی اسی حقیقت کا عکس قائم تھی، وہ کسب معاش اور دیگر امور حیات میں بے ہمت اور بے پروا دکھائی دیتے تھے، مگر چونکہ "زمرہ علیین" میں ان کی شمولیت مقدر تھی۔ اس لئے دین کے کاموں میں اور سلوک کی راہ میں ہمت عالی اور عزم قوی رکھتے تھے، مجاہدات عزالیہ[1] (یعنی کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، اور مخلوق سے کم ملنا) کا اس دور میں وہ نمونہ تھے۔ اور اصول عجدوانیہ[2] (وقوف قلبی، وقوف عددی، وقوف زمانی، ہوش در دم، نظر بر قدم، سفر در وطن، خلوت در انجمن، یاد کرد، بازگشت، نگہداشت، یادداشت) کی حقیقت ان کو دیکھ کر سمجھ میں آتی تھی۔ یہ شاعری یا مبالغہ نہیں، عینی شہادت ہے۔

گلستان پڑھنے کے زمانے میں راقم عاجز سے کبھی کبھی حاضری ناغہ بھی ہو جاتی تھی، ایک مرتبہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "آپ کے وقت میں میں ہر کام سے فارغ ہو کر بیٹھ رہتا ہوں، نہ آسکیں تو اطلاع دیا کریں۔" پھر فرمانے لگے "مجھے اپنے شیخ کی صحبت بیس برس تک حاصل رہی اور فجر کی نماز روزانہ حضرت کے ساتھ ادا کی اور اس معمول میں فرق نہ آنے دیا۔" حالانکہ حضرت بخاری شاہ قدس سرہٗ مولانا کی قیام گاہ سے تقریباً ۴ میل کی مسافت پر قیام پذیر تھے اور آمد و رفت پا پیادہ رہتی تھی۔

میرے تایا مولوی غلام جیلانی صاحب مدظلہٗ جو حضرت کے اولین مریدوں میں سے (اور اب تو خلیفہ مجاز) ہیں، فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ مولانا شدید بخار میں مبتلا تھے کہ اٹھنا بھی مشکل تھا مگر جب وقت نماز کا آگیا تو مسجد کے ارادہ سے اٹھ کھڑے ہوئے، میرے تایا صاحب ساتھ تھے، چند قدم چل کر مولانا ضعف اور غشی سے راستہ ہی میں بیٹھ گئے، مگر پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور قدم بڑھایا۔ تایا صاحب نے عرض کیا۔ "حضرت ایسی حالت میں تو شریعت نے رخصت دی ہے۔"

---

[1] امام غزالی قدس سرہٗ [2] حضرت خواجہ عبدالخالق عجدوانیؒ جنکے گیارہ کلمات سلوک نقشبندیہ کے اصول کی حیثیت رکھتے ہیں، تفصیل فن کی کتابوں میں دیکھنی چاہئے۔

سے شیخ فانی نے کس عبدیت میں ڈوب کر اس کا جواب دیا، فرمایا: "جی ہاں مگر میری تو زندگی ہی رخصت ہی رخصت ہے، نہ کمانا مجھ سے ہوتا ہے، نہ دنیا کا اور کوئی کام، ایک نماز با جماعت رہ گئی ہے۔ تو کیا اسکو بھی رخصت کر دوں ۔؟ مجھے تو رشک آپ لوگوں پر آتا ہے کہ ملازمت بھی کرتے ہیں، دنیا کے جھمیلوں کا کام کرتے ہیں اور پھر اللہ کی عبادت بھی نہیں چھوڑتے۔"

مسجد سے مولانا کو خاص انس تھا، زیادہ وقت مسجد ہی میں گذارتے تھے اور جب باہر رہتے تو بھی دل یہیں اٹکا رہتا، نمازوں کے لئے مسجد میں اذان سے بہت پہلے پہنچ جاتے قبل نماز فجر سے اشراق تک اور پھر ظہر سے ختم مغرب تک اور پھر عشاء سے بارہ بجے رات تک مسجد ہی میں رہتے تھے۔ بارہ بجے کے بعد گھر پہنچ کر استراحت فرماتے مگر ٹھیک دو بجے شب کے پھر تہجد کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے اور نماز و ذکر و شغل میں طلوع صبح کا وقت قریب آجاتا، پھر تھوڑی سی دیر کے لئے لیٹ کر فجر کی اذان سے پہلے مسجد پہنچ جاتے ____ مدت تک نماز جمعہ کے لئے مکہ مسجد (جو حیدر آباد کی سب سے عظیم الشان جامع مسجد تھی) اور عیدین کے لئے شہر سے باہر عید گاہ پیادہ پا آتے جاتے تھے، پھر تقاضائے عمر اور ایک معتقد کے اصرار پر واپسی موٹر کار پر ہونے لگی۔

جہاں تک اذکار و اشغال کا تعلق ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس عالم کے ہر گوشہ کی سیر کئے ہوئے تھے، نفی اثبات کے ذکر کا ایک خاص طریقہ ہے، جس میں دوران ذکر ذاکر کا عضو عضو الگ الگ ہو جاتا ہے، اس کو اصطلاح میں "ذکر ارہ" اور "شغل اسد" بھی کہتے ہیں، ابتدائی دور میں مولانا نے یہ بھی کیا مگر پھر ترک فرما دیا اور کبھی کسی کو اسکی تلقین نہیں فرمائی۔

زہد و استغناء | قصبات اور دیہاتوں میں زاہدانہ زندگی پھر سہل ہے، مگر شہر کے معدودہ میں اور وہ بھی حیدر آباد جیسے پر تکلف متمدن شہر میں رہ کر زہد کامل کی جیسی مثال مولانا نے قائم فرما دی وہ انہیں کا حصہ تھا ____ ان کی علمی عظمت اور ان کے درس کی شہرت کی وجہ سے افتاء کا سرکاری عہدہ اور مدرسہ نظامیہ کی مدرسی کی پیشکش ہوتی رہی، مگر مولانا انکار ہی فرماتے رہے، والد بزرگوار (رحمۃ اللہ علیہ) اسوقت حیات تھے، انہوں نے ان لوگوں سے کہا کہ میرا لڑکا فقیر ہے وہ کوئی منصب قبول نہ کریگا۔ اگر آپ لوگوں سے ہو سکے تو کچھ وظیفہ سرکار سے مقرر کرانے کی کوشش کریں ورنہ اس قصہ کو چھوڑ دیں۔ چنانچہ بعض اہل رسوخ نے اپنی طرف سے حضور نظام کی خدمت میں معروضہ پیش کیا، خدا کی قدرت کہ اعلیحضرت میر عثمان علی خان مرحوم نے حکم صادر فرمایا کہ ۲۰ روپیہ وظیفہ دعاگوئی جاری کر دیا جائے، چنانچہ بس اسی پر گذارا رہا، حالانکہ مولانا کثیر العیال بھی تھے۔

مولانا کا ایک موروثی مکان تھا جسکا ایک حصہ پختہ بنا ہوا تھا اور دوسرا محض سفالی تھا، والد ماجد کے انتقال پر مولانا نے پختہ حصہ اپنے چھوٹے بھائی کو دیا اور خود سفال پوش اور مٹی کے فرش والے حصہ میں رہے اور اس میں بھی خود مولانا کے کمرہ کا نقشہ یہ تھا کہ ایک بڑی سی چٹائی جس پر ایک کمل بچھی ہوئی، سرہانے کتب حدیث کا انبار، کمرہ کے ایک گوشہ میں صراحی گلاس اور اہلیہ محترمہ کا پاندان، دوسرے میں ایک معمولی سائز ٹرنک، بس یہی کل اثاث البیت تھا۔

مولانا نے نذرانوں کا دروازہ بھی بند کر رکھا تھا، اس سلسلہ میں ایک چشم دید واقعہ اب تک تصور کے پردہ پر تازہ اور نہایت متاثر کن ہے۔ میں عصر و مغرب کے درمیان درس گلستان کیلئے حاضر خدمت تھا، مولوی میر یوسف علی صاحب (یوسف یار جنگ مرحوم) حضرت کے بڑے معتقد اور غالباً شاگرد بھی تھے، حاضر خدمت ہوئے اور دو غالیچے جو مصلے سے ذرا بڑے ہوں گے، حضرت کی خدمت میں بطور نذر پیش کئے۔ حضرت نے ان کو چھوئے بغیر فرمایا کہ "میں ایک بوریا نشین، اسکو لے کر کیا کروں گا، آپ واپس لے جائیں"۔ مگر جب انہوں نے عاجزانہ اصرار پر اصرار کیا تو حضرت اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی جگہ سے ہٹ کر فرمایا کہ بچھا دیجئے، انہوں نے بچھا دیا تو اس پر ایک قدم رکھ کر دوسری طرف اس طرح نکل گئے جیسے کوئی انگارے پر پاؤں رکھ کر گذر جاتے، اور فرمایا میں نے آپ کی بات مان لی، آپ اب میری بات مان لیں اور اسکو اٹھالیں، چنانچہ یوسف یار جنگ مرحوم نے خود لپیٹ کر ان قالین کے ٹکڑوں کو اٹھالیا۔

(باقی آئندہ)

جامعہ عربیہ چنیوٹ میں حسب سابق ادیب عربی، عالم عربی، فاضل عربی، انگلش میٹرک کے ساتھ ساتھ درس نظامی کی مکمل تعلیم باقاعدہ فاضل اساتذہ کی زیر نگرانی ہو رہی ہے، قیام و طعام کا اعلیٰ انتظام ہے۔ ملک بھر میں شاندار نتائج کی وجہ سے ممتاز ہے۔ امتحانات کے شائق حضرات رابطہ قائم فرمادیں۔ دورۂ حدیث پڑھنے والے طلباء داخلہ کی اجازت حاصل کر کے بعد از امتحان سالانہ شعبان میں حاضر مدرسہ ہو سکتے ہیں۔ ان کے لئے خصوصی رعایت ہے۔

المعلن:- اراکین جامعہ عربیہ

مولانا منظور احمد چنیوٹی پرنسپل جامعہ۔ حافظ مشتاق احمد مہتمم جامعہ عربیہ
چنیوٹ ضلع سرگودھا